تزکیہ نفس کی اہمیت، اصول اور طریق: بھگود گیتا، بائبل اور قرآن حمید کی روشنی میں تجزیاتی اور تقابلی مطالعہ

Importance, Principles and Techniques of Self-Purification in Bhagavad Gita, Bible and Qur'ān- A Comparative Analysis

ڈاکٹر آسیہ رشید*

حافظ محمد شارق**

Abstract

Human beings as the chosen creation of God are beautified with apparent and inner attractions. Self-Purification affects both the aspects by developing the factors which plays a key role in personality building. At the same time, it disciplines the harm-causing elements. Furthermore, it strengthens the positive force by eliminating negative elements. Obtaining a heavenly and pure life has a constant value in all religions, which continues from maturity till death. Furthermore, if we look at the modern world, it can be felt easily that we live in a world that is confronting a moral decline. Today-it is considerably difficult to live a righteous life in the world full of sins. Hence, Self-Purification and Personality Development has a significant place in all religions of the world, whether it is Hinduism, Buddhism or Islam.

All these major religions view the way of Personality Development very differently. In most of Indian (Dharmic) religions, it is thought that one can develop his or her personality through meditation and monasticism. On the other hand, Abrahamic religions, such as Islam and Christianity, use the practical and social approach for this cause. According to Islam, man has been bestowed with some distinctive characteristics which are the tools to accomplish his goals. Their appropriate use leads towards many physical and spiritual benefits individually and collectively.

This article discusses the principles and techniques, which help in the intellectual growth of human beings. It is a comparative study which examines the similarities and differences between the stages of Personality Development as described in the Gita, Bible and the Qur'ān. It also explains the importance of Personality Development and Self-Purification in these subjected books.

Keywords: Personality Development, Self-Purification, Religions, Mediation, Monasticism

تزکیہ نفس کا لغوی و اصطلاحی مفہوم:

"تزکیہ" باب "تفعل" سے مصدر ہے لفظ تزکیہ لغت میں، ز۔ک۔و سے مشتق ہے۔ جو کئی معنوں میں استعمال ہوا ہے مثلاً پاکیزہ ہونا، سدھرنا، نفس کو مارنا۔ "أزكيا" جمع بمعنی پاک، پارسا، نیک، بے گناہ اور باطنی پاکی کے ہیں۔ زکی کے معنی بڑھنا، پیاسا ہونا۔[1] "پاک کرنا، صاف کرنے، پاکی اور صفائی" کے معنوں میں استعمال ہوا ہے۔[2]

* اسسٹنٹ پروفیسر شعبہ علومِ اسلامیہ نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز، اسلام آباد، لاہور کیمپس، خیابان ایوان اقبال لاہور۔

** ڈائریکٹر ادارہ تحقیقات مذاہب، کراچی / ایم فل ریسرچ اسکالر وفاقی اردو یونیورسٹی، عبد الحق کیمپس، کراچی۔

امام راغب اصفہانی المفردات میں لکھتے ہیں کہ "اس کے اصل معنی اس نمو کے ہیں جو برکت الٰہیہ سے حاصل ہو اس کا تعلق دنیاوی چیزوں سے بھی ہے اور اخروی امور کے ساتھ بھی۔ اور لفظ نفس کے لغوی معنی "اپنی ذات اور شخصیت" کے ہیں۔[3]

تزکیہ نفس کا اصطلاحی مفہوم:

اپنی ذات اور شخصیت کو مختلف قسم کے بری عادات مثلاً غیبت چغلی جھوٹ، گالی گلوچ، وعدہ خلافی / عہد شکنی، حسد، ریاکاری، دھوکہ دہی، منافقت وغیرہ سے پاکیزہ رکھنا "تزکیہ نفس" کہلاتا ہے۔ یعنی تزکیہ نفس کے مجموعی معنی اپنے نفس کو آلائشوں سے پاک کرنا، نفس کو غلط انداز فکر، اور فسق وفجور سے بچانا، نفس کو ان تمام تر گناہوں سے پاک کرنا جو انسان کی روحانی تربیت و نشوونما میں رکاوٹ بنتے ہوں۔

مندرجہ بالا تعریفات کی روسے تزکیہ نفس کے دو مفاہیم واضح ہوتے ہیں۔ پہلا "کسی چیز کو نشو نما دینا، افزائش کرنا، فروغ دینا""" جب کہ دوسرا پوشیدہ مفہوم یہ کہ "کسی چیز کو آلودگی سے پاک کرنے اور عمدہ بنانے" کے ہیں۔ یعنی اس طرح تزکیہ نفس سے مراد تعمیر واصلاح نفس ہے۔ جس کو اس مثال سے یوں سمجھ لیجیے کہ "اگر ہم نفس کو ظرف کے معنوں میں لے لیں تو اگر نفس ناپاک ہو گا تو اس کو صاف کرنے کا اہتمام کیا جائے گا اور اس کو پاکیزہ کرنے کی مکمل طور پر سعی کی جائے گی۔ اور جب وہ صاف اور پاکیزہ ہو جائے گا تو تب اس میں چمک لانے کی کوشش کی جائے گی۔ اس طرح نفس کو گندگی سے پاک کرنا اصلاحِ نفس کہلائے گا اور چمکدار بنانا (عمدہ اخلاق کی افزائش) تعمیر نفس کہلائے گا۔"

زیر نظر مقالہ میں ہم مجوزہ موضوع کے مطابق ہندومت، بائبل اور قرآن مجید کے مطابق تزکیہ نفس کی اہمیت وطریقہ کار پر روشنی ڈالیں گے۔

گیتا اور تزکیہ نفس:

مذاہب عالم کی کتب مقدسہ میں گیتا بھی ایک ایسی کتاب ہے جو انسانی شخصیت کے بارے میں ایک مکمل نظامِ فکر اور فلسفہ فراہم کرتی ہے۔ کرم، راگ دویش اور سمسکارہ کا تصور اس نظامِ فکر میں بنیادی حیثیت رکھتا ہے جس پر پوری انسانی شخصیت کی تعمیر اور تخریب ہوتی ہے۔ بھگود گیتا کے مطابق انسانی شخصیت کے تین مدارج یا پہلو ہیں۔

- کرم
- سمسکارہ
- راگ دویش

کرم: ہندو فلسفے میں یہ لفظ کثیر المعنی ہے اور مختلف پس منظر میں جدا جدا معنی دیتا ہے۔ تاہم ہمارے موضوع بحث کے دائرے میں کرم سے مراد "اعمال" ہیں۔ ہندی فلسفے کی رُو سے کرم سے مراد صرف موجودہ زندگی نہیں بلکہ گزشتہ زندگی یا جنم کے اعمال بھی ہیں۔

راگ دویش: راگ دویش کے معنی پسند وناپسند ہے۔ وسیع معنوں میں اس سے مراد دراصل کسی بھی عمل کے کرنے یا نہ کرنے کے بارے میں کوئی رائے رکھنا ہے۔ انسان کے تمام اعمال اسی راگ دویش کی بنیاد پر ہوتے ہیں۔ مثلاً ہمیں کوئی تھپڑ مارتا ہے تو اب یہ

ہماری پسند اور ناپسند ہے ہم رد عمل میں تھپڑ ماریں یا نہیں۔ اسی طرح وقت ضایع کرنا یا اسے قیمتی بنانا، کسی کی خدمت کرنا یا قتل کرنا، سچ بولنا یا جھوٹ بولنا، یہ سب انسانی کی پسند اور ناپسند ہی ہوتی ہے۔

سمسکارہ: ہندی فلسفے کی رُو سے انسان جو کچھ کرم یعنی عمل اس جنم میں یا گزشتہ جنم میں کر چکا ہوتا ہے اس کے کچھ اثرات ہوتے ہیں جو اس کے لاشعور پر پڑتے ہیں۔ ان اثرات کو مجموعی اعتبار سے "سمسکارہ" کہا جاتا ہے اور یہی سمکارہ ہیں جو ہماری شخصیت اور فطرت تشکیل دیتی ہے۔ یہ ایک مکمل سائیکل ہوتا ہے جس سے اعمال اور رجحانات ظہور پذیر ہوتے ہیں۔ مثلاً ہم کوئی برا عمل جیسے جھوٹ بولتے ہیں تو اس کے اثرات ہمارے سمسکارہ پر پڑتے ہیں؛ پھر ہم دوبارہ کبھی جھوٹ بولتے ہیں اس کا اثر بھی ہمارے سمسکارہ پر ہوتا ہے اور آہستہ ہماری فطرت میں ہی یہ بات شامل ہو جاتی ہے کہ ہم بلا تردد جھوٹ بولتے رہیں۔ لاشعور کی یہ حالت خود شری کرشن کے مطابق براہ راست ناقابل تبدیل ہے اور انسان مجبورِ محض ہوتا ہے کہ وہ سمسکارہ سے تشکیل پانے والی فطرت کے مطابق ہی اعمال کرے خواہ وہ نیکی ہو یا گناہ۔ سمسکارہ اور کرم کے تعلق کی وضاحت کرتے ہوئے گیتا میں شری کرشن کہتے ہیں:

> "ایک گیانی بھی فطرت کے مطابق کرم کرتا ہے کیونکہ سبھی انسان اپنی فطرت کے مطابق کرم کرتے ہیں۔"[4]

یعنی ایک عالم شخص جسے اچھائی، برائی، صحیح غلط ہر ایک چیز کا اچھی طرح علم ہو، وہ بھی اس بارے میں مجبور ہوتا ہے کہ اپنی فطرت اور سمکارہ کے مطابق ہی عمل کرے۔ سمسکارہ کی تفصیل آگے موجود ہے۔

منفی رجحانات اور سمسکارہ (شعور):

اوپر بیان کردہ تفصیل سے یہ واضح ہو گیا کہ ہماری شخصیت سے سرزد ہونے والے تمام اعمال کا ماخذ ہماری فطرت ہی ہوتی ہے۔ چنانچہ ہماری شخصیت میں موجود وہ منفی رجحانات جسے ہم برائی یا گناہ سے تعبیر کرتے ہیں، اس کا ماخذ بھی سمسکارہ ہی ہے۔ لیکن ہمارے سمسکار بالآخر کیونکر برائیوں سے آلودہ ہوتے ہیں؟ بالفاظِ دیگر ہمارا نفس برائی پر کیوں آمادہ ہوتا ہے؟ اس آفاقی سوال کے جواب میں کرشن کہتے ہیں:

> "ارجن! اس کی وجہ ہوس ہے جو راج گن سے پیدا ہوتی ہے اور غصے (جنون) میں تبدیل ہو جاتی ہے۔ جان لو کہ یہ تمہارا بدترین دشمن ہے۔ جس طرح آگ دھوئیں سے، آئینہ مٹی سے، اور بچہ رحم سے ڈھکا ہوتا ہے، اسی طرح یہ شعور ہوس کے مختلف پرتوں سے ڈھکی ہوا ہوتا ہے۔ اس طرح انسان کی خالص پہچان اس کے ابدی دشمن ہوس سے ڈھک جاتی ہے۔ وہ ہوس کبھی مطمئن نہیں ہوتی اور آگ کی طرح جلتی رہتی ہے۔ حواس، قلب اور عقل اس ہوس کی جائے سکونت ہے۔ ان کے ذریعے انسان کے حقیقی علم [علم الیقین] کو چھپا دیتی ہے اور اسے الجھن میں ڈال دیتی ہے"۔[5]

ہندوستان کے مشہور فلسفی و بزرگ مہاتما گوتم بدھ نے بھی اپنی تعلیمات میں اسی "خواہش" کو تمام مسائل کی جڑ قرار دیا تھا۔ گیتا کی مذکورہ اشلوک کی تشریح میں ہوس اور گناہوں کے تعلق کے بارے میں ان اشلوک کی تشریح میں شارحِ گیتا سوامی رام سُکھ داس لکھتے ہیں:

”ہوس (کامنا) ہی تمام گناہوں (پاپوں) کی جڑ ہے۔ اس لئے ہوس پیدا ہوتے ہی گناہوں کے ہونے کا ڈر رہتا ہے۔ آگے چل کر ہوس انسان کے شعور کو ڈھک کر اسے اندھا بنا دیتی ہے جس کی وجہ سے اُسے گناہ اور ثواب کا فرق ہی نظر نہیں آتا اور وہ گناہ کے کاموں میں لگا رہتا ہے، جس سے اس کا زوال ہو جاتا ہے۔ اس لیے بھگوان نے اس کام [ہوس] کو پاپی (گنہگار) کہہ کر اسے ہلاک کر دینے کا حکم دیا ہے“۔[6]

یعنی تمام منفی رجحانات کا اصل سرچشمہ ہوس ہے جو بمطابق گیتا کے محسوسات یعنی مادی دنیا پر انسان کے لگاؤ کی وجہ سے پیدا ہوتی ہے۔ اس ہوس سے نجات اسی صورت ہے کہ انسان اپنے اصل شعور (Consciousness) سے خواہشات کے پردوں کو ہٹا دے۔

تعمیر شخصیت اور راگ دویش پر اندریوں سے فتح یابی:

کسی بھی کرم کو چھوڑ دینا تو ہمارے بس کی بات نہیں، مگر ان کاموں کو راگ دویش سے کرنا یا نہ کرنا یہ انسان کے بس کی بات ہے۔[7] لہٰذا اپنی مرضی کے مطابق اپنی شخصیت کو پاکیزگی کے ساتھ تعمیر کرنے کا واحد ذریعہ یہ ہے کہ انسان راگ دویش کو اپنے اختیار میں رکھے اور اپنے فطرت پر ایسے اثرات مرتب کرے جو بتدریج ہماری فطرت میں نیکی کو پیوست کر دے۔ جس شخص کی فطرت پاک ہو گی اس سے پاکیزہ اعمال ہی سرزد ہوں گے جبکہ اخلاقی برائیوں سے آلودہ فطرت سے بداعمالی ہی جنم لے گی۔ اس مقصد کے حصول کا طریقہ بھگود گیتا کے مطابق یوگا کر کے اپنے حواس پر قابو پانا ہے۔ چنانچہ گناہوں کی اصل وجہ بتلانے کے بعد شری کرشن اس سے بچنے کے لیے حواس پر قابو پانے کی تلقین کرتے ہوئے مزید وضاحت سے کہتے ہیں:

”اس لیے اے ارجُن! بھرت کے عظیم بیٹے! سب سے پہلے اِن اِندریوں (حواس) پر قابو پاؤ اور اسے ختم کرو جو گناہوں کا سرچشمہ اور علم و عقل کو تباہ کرنے والے ہیں۔“[8]

منودھرم شاستر کے رشی اسی کی تائید کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

”جسم پانی سے پاک ہوتا ہے اور اندرونی اعضاء صداقت سے۔ روح مقدس علم، ریاضت اور سچی فہم سے پاک ہوتی ہے۔“[9]

”عقل مند اپنے حواس کو اس طرح قابو میں رکھتا ہے جیسے رتھ سوار اپنے گھوڑوں کو۔ اپنے حواس کو حسی لذات کی ترغیب سے بچانا مسلسل مشقت ہے۔“[10]

گیتا کے مطابق حواس کو قابو کرنے اور قلب کو گناہوں کی غلاظتوں سے پاک کرنے کے لیے مراقبہ و ریاضت کرنا چاہیے۔ یہی وہ ذریعہ ہے جس سے انسان مادی خواہشات کی غلاظت سے پاکیزگی پا سکتا ہے:

یوگی کو چاہیے کہ پکے ارادے اور یقین کے ساتھ اپنے آپ کو یوگا ابھیاس میں لگائے رکھے۔ من سے پیدا ہوئی خواہشوں کو چھوڑتے ہوئے ہر طرف تمام اندریوں [حواس] کو قابو میں رکھے۔

آہستہ آہستہ درجہ بہ درجہ پورے یقین کے ساتھ یوگی کو چاہیے کہ عقل کے ذریعے ابھیاس میں قائم رہے۔ اسطرح سے تنہا من کو آتما پر جمائے اور اسکے علاوہ کچھ نہ سوچے۔ جب کبھی بھی اور جہاں کبھی بھی من اپنی ہٹ دھرمی اور چنچل فطرت کی وجہ سے بھٹکتا ہے، انسان کو چاہیے کہ اس کو روکے اور واپس آتما کی زیر نگرانی میں رکھے۔ جس یوگی کا من مجھ پر قائم ہے وہ یقیناً عظیم روحانی سُکھ کی آخری تکمیل کو پاتا ہے۔ وہ رجوگن (ہوس کی صفت) سے پرے ہو جاتا ہے۔ برہم کے ساتھ اپنی یکسانیت سمجھ لیتا ہے اور وہ پاپ کرموں کے رد عمل سے آزاد ہو جاتا ہے۔ اسطرح یوگا ابھیاس میں لگاتار آتما میں پکے ارادے سے قائم رہتے ہوئے وہ تمام مادی گندگیوں سے پاکیزہ ہو جاتا ہے اور بھگوان کی دیویہ پرم بھگتی میں پرم سُکھ حاصل کرنا ہے۔[11]

بائبل کا تصورِ شخصیت:

قرآن اور گیتا کی طرح بائبل بھی انسانی شخصیت کے بارے میں ایک مختلف تصور پیش کرتی ہے۔ تاہم یہ گیتا اور قرآن کے برعکس، جیسا کہ ہم آگے پڑھیں گے، انتہائی سادہ سی تصور پیش کرتی ہے کہ انسان کی اصل شخصیت صرف جسم نہیں بلکہ اس کے ظاہر و باطن کا مجموعہ ہے۔ محض ظاہر کو شخصیت سمجھنا ایک غلط فہمی ہے۔ صرف انسان کے ظاہری خدوخال اس کی اصل شخصیت نہیں بلکہ اصل شخصیت انسان کا باطن ہے جو سینٹ پال کے مطابق روح، جسم اور نفس پر مشتمل ہے۔[12]

شخصیت کے تصور میں سب سے اہم شے قلب ہے جو اصلاً خدا کے نزدیک قابل اعتبار ہے۔ چنانچہ بائیبل کی کتاب سموئیل شہادت دیتی ہے کہ جب سموئیل نے الیاب کو دیکھا اور اس کے خوبصورت قد و قامت کی وجہ سے یہ گمان کیا کہ یہ وہی شخص ہے جسے خدا نے اپنا مسیح چنا ہے۔ لیکن خداوند نے اس گمان کی تردید کرتے ہوئے کہا کہ:

> "الیاب طویل القامت اور خوبصورت ہے۔ لیکن اس کے بارے میں ایسا مت سوچو کہ وہ لمبا ہے۔ خدا ان چیزوں کو نہیں دیکھتا جو لوگ دیکھتے ہیں۔ لوگ صرف آدمی کا ظاہر دیکھتے ہیں لیکن خداوند اس کے دل کو دیکھتا ہے۔ الیاب صحیح آدمی نہیں ہے۔[13]

اب جبکہ یہ واضح ہو گیا کہ بائیبل کے مطابق انسان کی اصل شخصیت اس کا ظاہری وجود نہیں بلکہ اس کا قلب ہے؛ تو ناگزیر طور پر بائیبل انسان کی نجات کو بھی اسی قلب پر ہی منحصر رکھتی ہے۔ ہمیں بائیبل میں جا بجا ایسے مقامات ملتے ہیں جہاں انسانی نجات کی بشارت انھیں لوگوں کو سنائی گئی ہے جو اپنی باطنی شخصیت کی تعمیر اور اس کا تزکیہ کرتے ہیں۔

باطنی شخصیت کا تزکیہ:

عہد نامہ قدیم کا مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ شریعتِ موسوی اور اس سے ماقبل صحائف میں ظاہری و رسمی پاکیزگی کے ساتھ روحانی پاکیزگی کا مطالبہ بھی انتہائی شد و مد کے ساتھ کیا گیا ہے۔ پاکیزگی کے لیے عہد نامہ قدیم میں طاہور کی اصطلاح استعمال ہوئی ہے جو اپنے مفہوم میں بالکل عربی اور اردو کے لفظ طہارت کا مترادف ہے۔ اس لفظ کے معنی پاک، خالص اور صاف کے ہیں۔ سیدنا داؤد علیہ السلام سے منسوب زبور میں آسمانی بادشاہی، آسمانی دنیا میں قیام اور دیگر فلاحِ آخرت کی دیگر تعبیرات میں نفس کی پاکیزگی کی شرط ہمیں جابجا دکھائی دیتی ہے۔ مثلاً چوبیسویں مزامیر میں وہ فرماتے ہیں:

"خداوند کے پہاڑ پر کون چڑھے گا؟ اور اس کے مقدس مقام پر کون کھڑا ہو گا؟ وہی جس کے ہاتھ صاف اور جس کا دل پاک ہے۔"[14]

بنی اسرائیل کے دورِ زوال میں جب یسعیاہ نبی کا ظہور ہوا تو انھوں نے خدا کی جانب سے دھتکارے جانے کی وجہ اسی روحانی ناپاکی کو قرار دیا۔ یسعیاہ پیغمبر کا صحیفہ آج بھی بائیبل میں روحانی پاکیزگی کی اہمیت بتاتا ہے کہ خدا کی خوشنودی کا حصول صرف پاکیزگی کی ہی بدولت ممکن ہے۔

"اپنے آپ کو پاک کرو تم جو بُرے کام کرتے ہو ان کا کرنا بند کرو میں ان بری باتوں کو دیکھنا نہیں چاہتا بُرے کاموں کو چھوڑو"[15]

بائبل میں کئی ایسے مقامات ہیں جہاں روح کی پاکیزگی انھی معنوں میں بیان کی گئی ہے جو یہاں زیر بحث ہیں۔ لیکن یہ پاکیزگی کن مشتملات کی حامل ہے؟ اس کی درست تفہیم اسی وقت ممکن ہے جب ہم اس کی ضد ناپاکی کو بھی دیکھیں۔ "طہور" کی ضد "طامہ" ہے جس کے معنی ناپاکی، آلودگی اور نجاست کے ہیں۔ عہد نامہ قدیم میں یہ لفظ قانونی اعتبار سے میت، بیماری اور جانور سے تعلق رکھتی ہے۔ جبکہ اخلاقی و روحانی اعتبار سے جنسی بدکاری کے تناظر میں استعمال ہوا ہے جو انسان کی شخصیت کو داغدار کرتے ہیں۔ چنانچہ کتابِ احبار میں مختلف جنسی جرائم کی تفصیل کے بعد یہ کہا گیا کہ:

"اِن بُرے کاموں میں سے کسی سے بھی اپنے آپ کو ناپاک نہ کرو۔ میں قوموں کو تمہارے سامنے سے ہٹاتا ہوں کیوں کہ ان لوگوں نے بھیانک گناہ کئے ہیں"۔[16]

کم و بیش یہی تصور ہمیں کتابِ ہوسیع میں بھی ملتا ہے:

"میں افرائیم کو جانتا ہوں۔ میں ان باتوں کو بھی جانتا ہوں جو اسرائیل نے کی ہیں۔ اے افرائیم تو نے بدکاری کی ہے۔ اسرائیل گناہوں سے ناپاک ہو گیا ہے۔"[17]

اس مطالعے کو جب ہم عہد نامہ جدید تک لے جاتے ہیں تو وہاں بھی سیدنا عیسیٰ علیہ السلام سے منسوب جملے میں بھی تزکیہ کی اہمیت کم و بیش وہی بیان ہوئی ہے جو قرآن اور گیتا میں بیان کی گئی ہے۔ انجیل متی کے مطابق سیدنا عیسیٰ مسیح علیہ السلام فرماتے ہیں:

"اُخروی نجات اور دیدارِ الٰہی صرف انھی لوگوں کو نصیب ہو گا جو پاکیزہ نفس کے حامل ہوں۔"[18]

لیکن عہد نامہ قدیم کی نسبت عہد نامہ جدید میں ہمیں اخلاقی ناپاکی کا تصور زیادہ واضح دکھائی دیتا ہے۔ عیسائیوں کے عہد نامے کے نقطہ نظر کے مطابق اصل ناپاکی جسمانی نہیں بلکہ وہ اعمال ہیں جو انسانی شخصیت کو ناپاک کرتے ہیں۔ سیدنا عیسیٰ علیہ السلام سے یہ وضاحت منسوب ہے کہ:

"جو باتیں مُنہ سے نکلتی ہیں وہ دل سے نکلتی ہیں اور وہی آدمی کو ناپاک کرتی ہیں۔ کیونکہ بُرے خیال۔ خونریزیاں۔ زناکاریاں۔ حرامکاریاں۔ چوریاں۔ جھوٹی گواہیاں۔ بدگوئیاں دل ہی سے نکلتی ہیں۔ یہی باتیں ہیں جو آدمی کو ناپاک کرتی ہیں مگر بغیر ہاتھ دھوئے کھانا کھانا آدمی کو ناپاک نہیں کرتا۔"[19]

یہ دلچسپ امر ہے کہ باوجود یکہ خدا کی محبت و شفقت، جو عیسائی نظامِ الٰہیات میں بنیادی حیثیت رکھتے ہیں؛ کرنتھیوں میں تزکیہ کے اس پہلو کو خاص طور پر خوفِ خداوندی سے منسلک کیا گیا ہے۔

"پس اے پیارو! ایسے وعدے پا کر آؤ۔ ہم اپنے آپ کو ہر طرح کی جسمانی اور روحانی آلودگی سے پاک کریں اور خدا کے خوف کے ساتھ پاکیزگی کو کمال تک پہنچائیں۔"[20]

باطنی شخصیت کی تعمیر:

بائیبل کی روشنی میں شخصیت کی تعمیر سے مراد یہ ہے کہ بندہ یسوع مسیح کی شخصیت کی جانب بڑھتا جائے اور اپنی ذات اس کی ہستی کے ملحق کر دے۔ خطِ افسیوں میں ہے:

"ہم محبت سے سچائی ہی کہیں گے۔ ہم مسیح کی طرح ہر راہ پر بڑھیں گے مسیح ہمارا سر ہے اور ہم جسم کے اعضاء۔ پورے بدن کا انحصار مسیح پر ہے۔ اور وہ جسم کے تمام حصے باہم حصوں کو ملا کر کام کریں گے جسم کا ہر حصہ اپنا کام کریگا۔ اس طرح جسم کا ہر عضو بڑھے گا اور محبت میں طاقتور ہو گا"۔ [21]

ذاتِ خداوندی سے ملحق ہونے اور اپنی شخصیت کی تعمیر کا معیار یہی ہے کہ انسان اپنی عملی زندگی میں ان اخلاقی خصائص کو شامل کرے جس کا ذکر پطرس اپنے خط میں تعمیر شخصیت کے حوالے سے خصوصی طور پر اس طرح کرتے ہیں:

"ان نعمتوں کے وسیلے سے تم اس خرابی سے چھوٹ کر جو دنیا میں بُری خواہش کے سبب سے ہے ذاتِ الٰہی میں شریک ہو جاؤ۔ کیونکہ تمہیں خوش نصیبی حاصل ہے اس لئے تم سے جتنا زیادہ ہو سکے کوشش کر کے ان چیزوں کو اپنی زندگی میں شامل کرو: اپنے ایمان میں اچھائی کو اور اپنی اچھائی میں علم کو شامل کرو، اور اپنے علم میں پرہیز گاری کو اور پرہیز گاری میں صبر کو اور اپنے صبر میں خدا کی خدمت کو شامل کرو، اور خدا کے لئے اپنی خدمت میں اپنے عیسائی بھائیوں اور بہنوں کے لئے مہربانی اور اپنے بھائیوں اور بہنوں کے لئے اپنی اس مہربانی میں محبت کو شامل کرو۔ اگر یہ ساری باتیں تجھ میں ہیں اور اس میں اضافہ ہو رہا ہے تو تمہیں اس سے فائدہ ہو گا اور یہ کبھی بیکار نہیں جائیگی یہ تیرے لئے ہمارے خداوند یسوع مسیح کو جاننے میں فائدہ مند ہو گی۔"[22]

نفس کے تزکیہ اور تعمیر شخصیت کے لیے جو مراحل و طریق بائبل بیان کرتی ہے، بنیادی طور پر اس کے دو رکن ہیں۔

راست بازی کی طلب: تزکیہ کے لیے سب سے پہلا مرحلہ انجیل متی کی رُو سے راست بازی کی طلب، بھوک اور اس سے محبت ہے۔ یعنی انسان اپنے اندر یہ راہِ صداقت کی پیروی کی خواہش پیدا کرے۔ یہ خواہش محض ایک حسرت نہیں بلکہ عملی زندگی کے جملہ معاملات میں ترجیحی درجے کی حامل ہونی چاہیے۔

"مبارک ہیں وہ جو راستبازی کے بھوکے اور پیاسے ہیں کیونکہ وہ آسُودہ ہوں گے۔"[23]

راست بازی کی طلب کا اصل عملی مقصود یہ ہے کہ ہم اپنے وجدان میں دیے گئے اخلاقی شعور سے بغاوت نہ کریں اور جن بداعمالیوں سے ہمارا ضمیر ہمیں آگاہ کرے، ہم ان سے دور رہیں۔ کتابِ یعقوب میں ہے:

چنانچہ تمہاری زندگی کو بُری چیزوں سے دور رکھو۔ اور خدا کی تعلیمات جو اس نے تمہاری جانوں میں بوئی ہیں اس کو قبول کرو۔[24]

خود سپردگی: عہد نامہ جدید یہ بتاتا ہے کہ اگر انسان کو راست باز اور پاکیزہ زندگی گزارنی ہے تو اسے اپنی ذات خدا کے حوالے کرتے ہوئے زندگی بسر کرنی ہوگی۔ خود سپردگی کا ہی ایک پہلو یہ ہے کہ انسان راہِ خداوندی میں اپنی ذات کی مکمل نفی کر دے تاکہ اس کے اندر کسی قسم کی انا باقی نہ رہے۔ بلکہ وہ آسمانی آزمائش کے حصول کے لیے اپنی جان کا ہی دشمن بن جائے۔ یوحنا کہتے ہیں:

"جو شخص اپنی ہی جان کو عزیز رکھتا ہے وہ کھو دیتا ہے لیکن جو شخص اس دنیا میں اپنی زندگی کی پرواہ نہیں کرتا ہے اور اس سے نفرت کرتا ہے وہ ہمیشہ کی زندگی پاتا ہے۔ جو شخص میری خدمت کرے وہ میرے ساتھ ہولے اور میں جہاں بھی ہوں میرے غلام میرے ساتھ ہوں گے۔ میرا باپ انکو بھی عزت دیگا۔ جو میری خدمت کریں گے۔"[25]

اپنی ذات کی نفی اور دشمنی ہی پہلا مرحلہ ہے جس کے توسط سے انسان (بائیبل کی رُو سے) خدا کی غلامی کے لیے خود کو تیار دیکھتا ہے اور اس کی خدمت کا جذبہ پاتا ہے۔ پولس نے رومیوں کے نام اپنے خطوط میں لکھا کہ:

"پس گناہ تمہارے فانی بدن میں بادشاہی نہ کرے اس لئے تم اس گناہ کی خواہشوں پر نہ چلو۔ اپنے بدن کے حصّے کو گناہ کی خدمت کے لئے حوالہ نہ کرو تمہارے جسم برائیاں کرنے کے لئے اوزار نہ بنیں اسکی بجائے مرے ہوؤں میں سے اب زندہ رہنے والوں کی مانند خدا کی خدمت کے لئے حوالے کر دو۔ اور اپنے بدن کے حصّے کو صحیح کام کے اوزار ہونے کے لئے خدا کی خدمت کے لئے حوالے کر دو۔ اس لئے کہ تم پر گناہ کا اختیار نہ ہوچوں کہ تم شریعت کے تابع نہیں ہو بلکہ خدا کے فضل کے سہارے جی رہے ہو۔"[26]

قرآن میں تزکیہ نفس کا مفہوم اور اس کی اہمیت:

تزکیہ نفس دیکھنے میں تو ایک سادہ عمل ہے لیکن عملی طور پر دیکھا جائے تو انتہائی مشکل کام ہے۔ لیکن یہی دین کا مقصود ہے اور اسی عمل میں کامیابی کا نتیجہ جنت کی ابدی نعمتوں کی شکل میں نکلے گا۔ جبکہ اس میں ناکامی کا انجام جہنم کے گڑھے ہیں۔ تزکیہ نفس کی اسی اہمیت کی بنا پر قرآن نے اسے براہ راست موضوع بنایا ہے۔

دین اسلام ایک جامع و اکمل دین ہے اور اس دین میں امت مسلمہ کے زندگی سے متعلقہ ہر پہلو، ہر قسم کے حالات کی راہنمائی، اخلاق حسنہ کی تفصیلات اور روحانی وجسمانی پاکیزگی کے حصول کے متعلق تعلیمات واضح طور پر بیان ہوئیں ہیں۔ تزکیہ نفس کو اگر قرآن مجید کی روشنی میں دیکھا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ دنیا میں مذہب کے رواج یا نبوت و رسالت کا سلسلہ جاری کرنے کا غرض یہی ہے کہ انھیں زندگی کے لیے ایسی ہدایت فراہم کی جائے جس کی مدد سے اپنے نفوس کا تزکیہ کر سکیں۔ چنانچہ ادیانِ

ابراہیمی کے پیغمبر سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے جب خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے لیے دعا کی تو اس کا مقصد یہی بیان فرمایا کہ آپ لوگوں کا تزکیہ کریں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

''رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيهِمْ رَسُولًا مِنْهُمْ يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيهِمْ إِنَّكَ أَنْتَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ''[27]

''اے ہمارے رب! ان میں انہی میں سے ایک رسول مبعوث فرمایئے جو ان پر آپ کی آیتیں تلاوت فرمائے اور انہیں کتاب اور حکمت کی تعلیم دے اور ان کا تزکیہ کرے۔ بیشک آپ بہت ہی ہی غالب حکمت والے ہیں''۔

اسی تناظر میں جب رسول اللہ ﷺ کی بعثت ہوئی تو اللہ تعالیٰ نے ان کے فرائض میں تزکیہ نفس کو لازمی شامل کیا۔

''هُوَ الَّذِي بَعَثَ فِي الْأُمِّيِّينَ رَسُولًا مِنْهُمْ يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ ''[28]

''وہی ذات ہے جس نے ان امیوں میں ایک رسول انہی میں سے اٹھایا ہے جو اس کی آیتیں ان پر تلاوت کرتا ہے اور ان کا تزکیہ کرتا ہے اور (اس کے لئے) انہیں کتاب اور حکمت کی تعلیم دیتا ہے''۔

امین احسن اصلاحی تدبر القرآن میں لکھتے ہیں کہ:

''لفظ ''تزکیہ'' دو مفاہیم پر مشتمل ہے۔ ایک پاک وصاف کرنے اور دوسرا نشوونما دینے پر۔ اور یہ دونوں چیزیں ایک دوسرے کے لیے لازم وملزوم ہیں۔ انبیاء کرام علیہم السلام انسانوں کا جو تزکیہ کرتے اس میں دونوں چیزیں شامل تھیں یعنی لوگوں کے دلوں اور ان کے اعمال کو غلط چیزوں سے پاک صاف بھی کرتے اور ان کے اعمال واخلاق کی نشوونما کرکے ان میں مفاسد کے خلاف قوت استقامت پیدا کرتے ہیں''۔[29]

آگے مزید لکھتے ہیں:

''یہ دونوں آیات الہام خیر وشر کا لازمی اور بدیہی تقاضا بیان کر رہی ہے۔ کہ جب اللہ تعالیٰ نے انسان کو خیر وشر میں امتیاز بخشا ہے تو اس کا فرض ہے کہ وہ خیر کو اختیار کرے اور شر سے اجتناب۔ اس آیت کو الہام خیر وشر کا بدیہی تقاضا اس وجہ سے قرار دیا ہے کہ اللہ تعالیٰ جو نعمت بھی بندے کو عطا فرماتا ہے اس کا حق واجب یہ ہے کہ بندہ اس کو اس کے صحیح مصرف میں استعمال کرے۔ یہی اس نعمت کا شکر ہے۔ اگر وہ ایسا نہ کرے تو گویا خود اپنے آپ کو تباہی کے گڑھے میں گراتا ہے۔ اس کی مثال یوں ہے کہ جس کو خدا نے دو آنکھیں بخشی ہیں اس پر واجب ہے کہ وہ آنکھیں کھول کر راہ کے نشیب وفراز دیکھتا ہوا چلے۔ اگر وہ آنکھیں موند کر چلے گا تو اس کا کسی کھڈ میں گرنا بعید نہیں اور اس کی ذمہ داری خود اسی پر ہوگی کسی دوسرے پر نہیں ہوگی''۔[30]

قرآن مجید میں ایک دوسرے مقام پر ارشاد ہوا ہے:

'' قَدْ أَفْلَحَ مَنْ زَكَّاهَا۝وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسَّاهَا ''[31]

''یقیناً فلاح پا گیا وہ جس نے نفس کا تزکیہ کیا۔ اور یقیناً نامراد ہوا جس نے اس کو دبا دیا''۔

اس آیت کی تفسیر میں مفتی محمد شفیع صاحب لکھتے ہیں:

"زَکّٰھَا: سے مراد یہ ہے کہ اپنے آپکو فسق و فجور اور تمام تر برے اعمال سے باز رکھے اور اپنے اندر تقویٰ کی صفات پیدا کرے۔ نفس انسانی کی تخلیق میں اللہ تعالیٰ نے گناہ و اطاعت (خیر و شر) دونوں کے مادے اور استعداد رکھ دی ہے۔ اور انسان کو ایک خاص قسم کا اختیار اور قدرت دی کہ وہ اپنے قصد و اختیار سے گناہ (شر) کی راہ اختیار کرلے یا اطاعت (خیر) کی، جب انسان اپنے قصد و اختیار سے ان میں سے کوئی راہ اختیار کرتا ہے تو اسی قصد و اختیار پر اس کو ثواب یا عذاب ملتا ہے۔"[32]

غرض کہ قرآن مجید کے مطابق انسانی زندگی میں تمام تر مذہبی جدوجہد کا اصل منشاء اپنی ذات کو پاکیزہ بنانا اور اس کی اصلاح کرنا ہے تاکہ وہ دنیا میں سکون و ترقی اور آخرت کی فلاح حاصل کرسکے کیونکہ گناہوں کی آلودگی کے ساتھ کوئی شخص جنت میں داخل نہیں ہوسکتا۔ انسانی فلاح و نجات کا انحصار ہونے کے باعث یہ سوال اب مزید اہم ہوجاتا ہے کہ اسلام میں تزکیہ نفس کا منہج اور طریقہ کیا ہے۔ اس سے پہلے کہ ہم قرآن و سنت کی رُو سے تزکیہ نفس کے منہج پر تحقیق کریں؛ ضروری ہے کہ نفس کو قرآن کی روشنی میں تحلیل کرلیا جائے جس کے مطابق انسانی شخصیت- تین قسم کے نفوس پر مشتمل ہے۔

- نفس امّارہ
- نفسِ لوّامہ
- نفسِ مطمئنّہ

پہلا نفس "امّارہ" کہلاتا ہے جو اپنے اندر صفاتِ مذمومہ رکھتا ہے۔ یہ سرکش نفس ہمیں گناہوں کی طرف مائل کرتا ہے اور نفسانی خواہشات کی پرستش میں مبتلاء رکھتا ہے۔ لہٰذا انسان کو اطاعت الٰہی سے روکنے والی پہلی قوت انسان کی اپنی خواہشات ہیں اور اسی نفس سے جہاد کو حدیث میں "جہادِ اکبر" قرار دیا گیا ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

"سَأَلْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: أَيُّ الْجِهَادِ أَفْضَلُ؟ قَالَ: «أَنْ تُجَاهِدَ نَفْسَكَ وَهَوَاكَ فِي ذَاتِ اللهِ عَزَّ وَجَلَّ"[33]

"رسول کریم ﷺ سے پوچھا گیا کہ: کونسا جہاد افضل ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: یہ کہ تو اللہ عزوجل کے لئے اپنے نفس اور خواہشات کے ساتھ جہاد کرے"۔

سورۃ یوسف میں اللہ تعالیٰ اس نفس کے بارے میں فرماتے ہیں:

"وَمَا أُبَرِّئُ نَفْسِي إِنَّ النَّفْسَ لَأَمَّارَةٌ بِالسُّوءِ إِلَّا مَا رَحِمَ رَبِّي إِنَّ رَبِّي غَفُورٌ رَحِيمٌ"[34]

"میں اپنے آپ کو بری الذّمہ ہر گز قرار نہیں دیتا، کیوں کہ اِس میں کوئی شک نہیں کہ سر کش نفس انسان کو برائی کی طرف ابھارنے والا ہے۔ سوائے ان کے جن پر میرا پروردگار رحم فرمائے۔ بے شک میرا رب معاف فرمانے والا رحم کرنے والا ہے۔"

نفس لوّامہ:

جب انسان اس نفس سے جہاد کرتے ہوئے اس پر غلبہ پالیتا ہے تو نفسِ امارہ کے چنگل سے نکل اس دائرے میں آجاتا ہے جسے "لوّامہ" کہتے ہیں۔ یہ نفس برائی پر ملامت کرتا یا کڑھتا ہے۔ یہ ایک قسم کا ضمیر یا قلبی نور ہوتا ہے جو ہمیں گناہ کے ارتکاب کے وقت اور اس کے بعد تک ملامت کرتا رہتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں اس کی قسم کھا کر اس کی اہمیت اجاگر کی ہے۔ فرمان پاک ہے:

"لَا أُقْسِمُ بِيَوْمِ الْقِيَامَةِ - وَلَا أُقْسِمُ بِالنَّفْسِ اللَّوَّامَةِ"[35]

"نہیں، میں قسم کھاتا ہوں روز محشر کی اور نہیں، میں قسم کھاتا ہوں نفس ملامت گر کی"۔

لوّامہ کے معنی ملامت یعنی انسان کو اندر سے ٹوکنے والا اور سرزنش کرنے کے ہیں ۔ نفس لوّامہ سے مراد وہ نفس ہے جو خود اپنے اعمال کا محاسبہ کرکے اپنے آپ کو ملامت کرتا رہے یعنی بارہا ایسا ہوتا ہے کہ انسان نفسانی خواہشات کے غلبہ کی وجہ سے گناہ کے کام کر لیتا ہے یا پھر کسی واجب کی ادائیگی میں کوتاہی کر لیتا ہے اور بعد میں اس پر وہ ندامت محسوس کرتا ہے، پچھتاتا ہے۔ کہ ایسا کیوں کیا؟ اور پھر اللہ تعالیٰ کو یاد کرکے اپنے گناہوں کی بخشش طلب کرتا ہے۔ یعنی ایسے نفوس (نفس کی جمع) مؤمنہ جو اپنے اعمال کا محاسبہ کرکے اپنے کوتاہیوں پر نادم ہوتے ہوں اور کیے گیے کوتاہیوں پر اپنے آپ کو ملامت کرتے ہوں۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ نفس کے اس قسم کے لیے "ملکیت" کا نام استعمال کرتے ہیں۔

نفس مطمئنہ:

مطمئنہ کے لفظی معنی ساکنہ کے ہیں۔ اس سے مراد وہ نفس ہے جو اللہ تعالیٰ کے ذکر اور اس کی اطاعت سے سکون و قرار پاتا ہے۔ اور ترک کرنے کی صورت میں انسان بے چینی محسوس کرتا ہو۔ طبیعت کے اندر ایسی کیفیت کا غالب ہو جانا کہ خلاف شرع چیز سے طبعی نفرت ہونے لگے اور طبیعت شریعت کے مطابق ڈھل جائے۔ مسلسل یاد الٰہی اور نیک نفسی کی زندگی گزارنے لگے، اعمال صالحہ میں ترقی اور قرب الٰہی کے حصول کے لیے کوشش کرتے ہوئے شریعتِ مطہرہ اس کی طبیعت بن جائے تو پھر ایسے انسان کے نفس کو "نفس مطمئنہ" کا درجہ حاصل ہو جاتا ہے۔ ایسے نفوس کے متعلق سورۃ الفجر میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"يَا أَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ○ ارْجِعِي إِلَىٰ رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً ○ فَادْخُلِي فِي عِبَادِي ○ وَادْخُلِي جَنَّتِي"[36]

"اے نفس مطمئنہ تو اپنے پروردگار (کے جوار رحمت) کی طرف چل، تو اس سے راضی اور وہ تجھ سے راضی، پس داخل ہو جاؤ میرے "خاص" بندوں میں اور میری جنت میں داخل ہو جاؤ"۔

سورۃ المؤمنون میں اہل ایمان لوگوں کو فلاح و کامیابی کی خوشخبری کے ساتھ ساتھ ان کے اوصاف و اخلاق بھی بطور ترغیب بتائے گئے ہیں: ارشاد باری تعالیٰ ہے:

''قَدْ أَفْلَحَ الْمُؤْمِنُونَ ۝ الَّذِينَ هُمْ فِي صَلَاتِهِمْ خَاشِعُونَ ۝ وَالَّذِينَ هُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُونَ ۝وَالَّذِينَ هُمْ لِلزَّكَاةِ فَاعِلُونَ ۝ وَالَّذِينَ هُمْ لِفُرُوجِهِمْ حَافِظُونَ ۝ إِلَّا عَلَى أَزْوَاجِهِمْ أَوْ مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُهُمْ فَإِنَّهُمْ غَيْرُ مَلُومِينَ ۝ فَمَنِ ابْتَغَى وَرَاءَ ذَلِكَ فَأُولَئِكَ هُمُ الْعَادُونَ ۝ وَالَّذِينَ هُمْ لِأَمَانَاتِهِمْ وَعَهْدِهِمْ رَاعُونَ ۝ وَالَّذِينَ هُمْ عَلَى صَلَوَاتِهِمْ يُحَافِظُونَ ۝ أُولَئِكَ هُمُ الْوَارِثُونَ ۝ الَّذِينَ يَرِثُونَ الْفِرْدَوْسَ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ۝''[37]

''تحقیق کامیاب ہو گئے ایمان والے۔ جو اپنی نماز میں خشوع کرنے والے ہیں۔ اور جو لغو باتوں سے اعراض کرنے والے ہیں۔ اور جو ادائیگی زکوٰۃ کا کام کرنے والے ہیں۔ اور جو اپنی شرم کی جگہوں کی حفاظت کرنے والے ہیں۔ سوائے اپنی بیویوں کے یا ان باندیوں کے جن کے وہ مالک ہوں پس اس میں ان پر کوئی ملامت نہیں ہے۔ سو جس نے اس کے علاوہ کچھ تلاش کیا تو وہ لوگ حد سے بڑھ جانے والے ہیں۔ اور جو لوگ اپنی امانتوں اور عہدوں کی رعایت کرنے والے ہیں۔ اور جو اپنی نمازوں کی حفاظت کرنے والے ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جو میراث پانے والے ہیں۔ جو فردوس کے وارث ہوں گے وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے''۔

ان آیات میں اہل ایمان کی کامیابی کا راز بیان کیا گیا ہے اور اہل ایمان کی ان صفات کو بھی واضح کیا گیا ہے کہ جن کا اہل ایمان کو کامیاب بنانے میں زیادہ دخل ہے۔ اس آیت قَدْ أَفْلَحَ الْمُؤْمِنُونَ سے ان لوگوں کی تردید ہوتی ہے کہ جو دنیاوی چیزوں کو دیکھ کر کامیابی کا فیصلہ کر لیتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ بادشاہ کامیاب ہے کوئی سمجھتا ہے کہ مالدار کامیاب ہے تو کوئی گمان کرتا ہے کہ بہت بڑی جاگیر رکھنے والا، وزیر، سفیر، جمال والا اور یا دنیاوی ہنر اور کمال میں ماہر لوگ کامیاب ہیں۔ جبکہ اللہ جل شانہ فرماتے ہیں کہ صاحب ایمان کامیاب ہیں۔ کیوں کہ اصل کامیابی آخرت کی کامیابی ہے وہاں اہل ایمان لوگ ہی کامیاب ہوں گے۔ ارشاد باریٰ تعالیٰ ہے کہ:

''فَمَنْ زُحْزِحَ عَنِ النَّارِ وَأُدْخِلَ الْجَنَّةَ فَقَدْ فَازَ''[38]

''جو شخص دوزخ سے بچا دیا گیا اور جنت میں داخل کر دیا گیا سو وہ کامیاب ہو گیا''۔

قرآن مجید کے مطابق تزکیہ نفس کا ایک اہم ترین ذریعہ نماز ہے جو دین اسلام میں بنیادی رکن کی حیثیت رکھتی ہے۔ لہذا سب سے بڑا تزکیہ نماز کے اہتمام سے حاصل ہوتا ہے۔ کیوں کہ نماز کا اہتمام برائی سے بچنے کا اہم ذریعہ ہے، جیسا کہ سورۃ العنکبوت میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

''إِنَّ الصَّلَاةَ تَنْهَى عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنْكَرِ''[39]

''بے شک نماز بے حیائی اور برے کاموں سے روکتی ہے''۔

حتیٰ کہ ایک حدیث مبارکہ میں اسے کفر و ایمان کے مابین امتیاز قرار دیا گیا ہے۔ اسی وجہ سے ہمیں یہ حکم دیا گیا ہے کہ اگر کوئی طبعی عذر واقع ہو تو نماز بیٹھ کر پڑھو اور اگر بیٹھ کر پڑھنے کی بھی طاقت نہ ہو تو لیٹ کر اشارے سے نماز ادا کرو، اسے ترک کرنے کی اجازت بہر حال نہیں ہے۔ یہ درست ہے کہ ایک امر تعبدی کی حیثیت سے اس حکم کی علت متعین نہیں کی جاسکتی، تاہم یہ غور و فکر سے ہم یہ نتیجہ ضرور اخذ کر سکتے ہیں کہ نماز کی اہمیت اس لیے بھی زیادہ شدت سے بیان کی گئی ہے کہ ہماری شخصیت کے تزکیے کے لیے یہ ایک اہم ٹول ہے۔ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ:

''فَإِذَا صَلَّيْتُمْ فَلَا تَلْتَفِتُوا فَإِنَّ اللَّهَ يَنْصِبُ وَجْهَهُ لِوَجْهِ عَبْدِهِ فِي صَلَاتِهِ مَا لَمْ يَلْتَفِتْ،--''[40]

''جب بندہ نماز میں ہوتا ہے تو برابر اس کی طرف اللہ تعالیٰ کی توجہ رہتی ہے جب تک بندہ خود اپنی توجہ نہ ہٹالے، جب بندہ توجہ ہٹالیتا ہے تو اللہ تعالیٰ کی بھی توجہ نہیں رہتی''۔

انسان اور اس کی نفس کی مثال ایک درخت کی سی ہے۔ درخت کا ایک حصّہ جڑ کی صورت میں ہوتا ہے جب کہ دوسرا حصّہ شاخوں کی صورت میں ہوتا ہے۔ ایک کسان بخوبی اس حقیقت سے واقف ہوتا ہے کہ کھاد اور پانی دینے کا کام جڑ میں ہوتا ہے نہ کہ شاخوں میں، اصل میں جڑ میں پانی دینا بالواسطہ شاخوں اور پتیوں میں ہی پانی دینا ہوتا ہے۔ کیوں کہ جڑ ہی سے شاخوں اور پتوں کو تقویت ملتی ہے۔ بالکل اسی طرح جب تک نفس کا تزکیہ ہوتا رہے گا تو انسان کے اعمال درست ہوں گے اور جب اعمال درست اور قرآن و سنت کے مطابق ہوں گے تو بندے کا نہ صرف اپنے مالک حقیقی سے تعلق قائم رہے گا بلکہ دین و دنیا کی کامیابیوں سے بھی ہمکنار ہو گا۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے جب سورۃ الشمس کی تلاوت فرمائی تو یہ دعا مانگی:

''اللَّهُمَّ ائْتِ نَفْسِي تَقْوَاهَا زَكِّهَا أَنْتَ خَيْرُ مَنْ زَكَّاهَا أَنْتَ وَلِيُّهَا وَمَوْلَاهَا''[41]

''الٰہی میرے نفس کو اس کا تقویٰ عطا فرما اور اس کو پاک کر، تو بہترین پاک کرنے والا ہے، تو ہی اس کا مالک اور مددگار ہے''۔

روحانی تربیت کے لیے تزکیہ نفس ایک اہم مرحلہ کی بنیاد رکھتا ہے۔ جب تک انسان اپنے نفس کو تمام تر برائیوں اور خبائث سے پاک نہیں کرے گا تو تب تک اس کا باطن روشن و منور نہیں ہو سکتا۔ نفس ہی انسان کو برائی کی طرف راغب کرتا ہے۔ حضرت ابو بکر صیدلانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

''نفس ہی اللہ اور بندے کے درمیان سب سے بڑا حجاب ہے اسی وجہ سے تو اللہ نے فرمایا ہے کہ: (قَدْ أَفْلَحَ مَنْ تَزَكَّى) جس نے تزکیہ کیا وہ فلاح پا گیا۔''[42]

اسی طرح بحوالہ کنز العمال بیان ہوا ہے کہ:

'' نفس کی خواہش سے بچا کرو کیوں کہ نفسانی خواہش اندھا اور بہرہ بنا دیتی ہے۔''[43]

لہٰذا حقیقت کو ذہن میں رکھتے ہوئے اب یہ بات سمجھیں کہ جس طرح ہمارے جسم کی نگہبانی اور پرورش کے لیے ہمیں مناسب وقت پر غذا کی ضرورت ہوتی ہے ایسے ہی روحانیت اور ہماری نفسانی پاکیزگی کے لیے بھی ضروری ہے کہ ہمارے اندر خدا کے سامنے احساسِ جوابدہی اور اس کی اطاعت کا جذبہ بارہا تازہ ہوتا رہے۔ پنج وقتہ نماز دراصل اسی احساس و جذبے کو زندہ رکھنے کا مؤثر ذریعہ ہے۔ بندہ جب دن میں بارہا اس بات کا اقرار کرتا ہے کہ وہ جو کچھ کر رہا ہے یومِ آخر میں اس کا حساب ہو گا اور اس کے ہر عمل کا بدلہ یوم آخر میں اسے ملے گا تو درحقیقت یہ الفاظ اس کے ذہن کی پروگرامنگ کر رہے ہوتے ہیں جس کی مدد سے انسان میں خدا کی رحمانیت و ربوبیت (یعنی پرورش کرنے کی صفت)، یومِ جزا میں اس کی عدالت اور اہل انعام یعنی انبیاء، صدیقین، شہداء اور صالحین کی راہ پر چلنے کے حوصلے کو تقویت حاصل ہوتی ہے۔ ایک شخص دن میں پانچ مرتبہ اسی احساس کے ساتھ بار بار نماز کے لیے

حاضر ہوتا ہے، اب نماز سے قبل یا نماز کے بعد معاشرتی زندگی میں اگر وہ کسی کی حق تلفی کرنے کا ارادہ کرے تو اس کا ضمیر اسے بد عملی سے روک دے گا کہ ابھی تو خدا کے حضور حاضری دے کر آئے ہو اور اب یہ بد عملی؟ بازار میں ناپ تول میں کمی کرتے ہوئے اسے یہ احساس روکے گا کہ اسے ابھی خدا کے حضور جانا ہے۔ دھوکہ دہی کرنے کے بعد کس منہ سے خدا کی بارگاہ میں جائیں گا؟ نماز سے بار بار اللہ کو یاد کرتے ہیں جس کی بناء پر انسان کا دل برائی کی طرف مائل نہیں ہوتا۔ اس کی ذہن اور روح میں قائم روحانیت اسے کسی بھی اخلاقی گندگی میں ملوث ہونے نہیں دیتی۔

حضورِ خداوندی میں بارہا یہ پیشی دراصل اسی احساسِ جوابدہی کو قائم رکھتی ہے نیز اسے اس بات کی یاد دہانی کراتی ہے کہ جس ہستی کے سامنے آج وہ جھک رہا ہے کل وہ ہستی اپنی رحمت اور جاہ و جلال کے ساتھ اس کے سامنے ہوگی۔ چنانچہ ایمان و اخلاق کی یہ سوچ ایک ایسی شخصیت کی تعمیر کرتی ہے جس کا طرز زندگی سادہ مگر خوبصورت ہوتا ہے۔ یہ لائف اسٹائل اپنی زندگی کو بھی بہتر بناتا ہے اور دوسروں کے لیے بھی باعث رحمت ہوتا ہے۔ یہ صحت مندی، نظم و ضبط، محنت و جہد وجہد اور دیانت و امانت سے عبارت ہوتا ہے۔ یہی وہ طرز زندگی ہے جس کی ہمارے ہر فرد اور ہمارے معاشرے کو ضرورت ہے۔

حاصل کلام:

دنیا کی تمام تعلیمات، سبھی مذاہب اور فلسفوں کا نچوڑ بھی یہی ہے کہ انسان خود کو ظاہری اور باطنی دونوں پہلوؤں سے بہتر بنائے، ساتھ ہی اُس کی کمزوریوں کا خاتمہ ہو، انسانی شخصیت میں عیب پیدا ہونے کی بنیادی وجہ انسان کی اخلاقی کمزوریاں، بُری عادتیں اور خود غرضی ہوتی ہے، جن پر قابو پا کر انسان خود کو بہتر بنا سکتا ہے۔ ہندو فلسفہ تعمیر شخصیت بعض ماہرینِ نفسیات کے نزدیک حقیقت پسندانہ ہے اور ہماری نفسیات کی جڑ کو تبدیل کرنے کی سعی کرتا ہے جبکہ اسلام شخصیت کے نکھار اور نفس کے تزکیہ کے لیے جو کچھ بتاتا ہے وہ نہ صرف حقیقت پسندانہ ہے بلکہ اطلاقی اور عملی پہلو پر بھی روشنی ڈالتا ہے۔ ضروری ہے کہ اس کا صحیح فہم حاصل کیا جائے۔ الغرض ہم اسلام اور دیگر مذاہب کی کتب مقدسہ کے فلسفہ کو سمجھ کر ان کی اچھی باتوں کو اپنا کر کامیاب انسان بنیں اور دوسروں کو بھی اس کا درس دیں تاکہ فلاح اخروی کے ساتھ ایک بہتر انسان اور روشنی کا پیکر بنا جاسکے جس کا قرآن نے واضح حکم دیا ہے۔ فکری ارتقا ہوگا تو ان کتب میں لکھے تعمیر شخصیت و کردار کو سمجھنا آسان ہوگا۔

حواشی و حوالہ جات:

[1] ابن منظور افریقی، لسان العرب، ص:14 / 358، مادہ، ز۔ک۔و۔، دار صادر بیروت، سید محمد مرتضی زبیدی، تاج العروس، ج:38، ص:220، طبعۃ کویت، 2001۔ لوئیس معلوف، المنجد، عربی اردو۔ مترجم عبد الحفیظ بلیلاوی، مکتبہ قدوسیہ، لاہور، ص:339، (مادہ) زکی۔

[2] فیروز الدین، فیروز اللغات، ص367۔

[3] راغب اصفہانی، امام، المفردات القرآن، مترجم محمد عبدہ فیروز پوری، اسلامی اکیڈمی لاہور، 1987، ج1، ص434۔

[4] بھگود گیتا۔ باب 3، اشلوک 33، مترجم دھنن جے داس، نگارشات پبلشر، لاہور۔

[5] حوالہ بالا، اشلوک 40-37۔

[6] گیتا۔ شارح سوامی رام سُکھ داس۔ ص90۔

[7] گیتا۔ شارح سوامی رام سُکھ داس۔ ص 83۔

[8] بھگود گیتا: باب 2 ۔ اشلوک 62۔

[9] منو دھرم شاستر: باب 5۔ اشلوک 109۔

[10] حوالہ بالا۔

[11] بھگود گیتا، باب 6، اشلوک 28-24۔

[12] ا۔ تھسلنیکیوں۔ 5:23۔

[13] سموئیل اول۔ 16۔ 7۔

[14] زبور۔ 24:3۔

[15] یسعیاہ: 1:16۔

[16] احبار۔ 18:24۔

[17] ہوسیع۔ 5:3۔

[18] انجیل متی 5:8۔

[19] متی ۱۵:۱۱، ۱۸-۲۰۔

[20] کرنتھیوں۔ 7:1۔

[21] افسیوں۔ 4:15-16۔

[22] پطرس۔ 8-1:4۔

[23] متی 6:5۔

[24] یعقوب۔ 1:21۔

[25] یوحنا 26-12: 25۔

[26] رومیوں 14-6:12۔

[27] سورۃ البقرۃ: 129۔

[28] سورۃ الجمعہ: 2۔

[29] امین احسن اصلاحی، تدبر القرآن، ج 8، ص: 373۔ فاران فاؤنڈیشن، لاہور، 2009ء۔

[30] امین احسن اصلاحی، تدبر القرآن، ج 9، ص 388۔ فاران فاؤنڈیشن، لاہور، 2009ء۔

[30] أحمد بن عبد الله الأصفهاني أبو نعيم ، حلية الأولياء وطبقات الأصفياء دار الفكر بيروت، ص: 2/249۔ السیوطی، عبد الغنی، فخر الحسن الدھلوی، شرح سنن ابن ماجہ، قدیمی کتب خانۃ۔ کراتشی، ج ا، ص ۲۸۲، رقم الحدیث: 3934۔، ایضاً ابن رجب الحنبلی، أبو الفرج عبد الرحمٰن بن احمد، جامع العلوم والحکم، دار المعرفۃ۔ بیروت، ط/ا 1408ء، ج ا، ص 196۔، ابن دقیق العید، شرح الأربعین، ج ا، ص 76۔

[31] سورۃ الشمس: 9-10۔

[32] محمد شفیع، معارف القرآن، مکتبہ معارف القرآن کراچی، 1389ھ۔

[33] أحمد بن عبد الله الأصفهاني أبو نعيم ، حلية الأولياء وطبقات الأصفياء دار الفكر بيروت، 2 / 249۔ السیوطی، عبد الغنی، فخر الحسن الدھلوی، شرح سنن ابن ماجہ، قدیمی کتب خانہ۔ کراتشی، ج ١، ص ٢٨٢، رقم الحدیث: 3934۔، ایضاً ابن رجب الحنبلی، أبو الفرج عبد الرحمٰن بن احمد، جامع العلوم والحکم، دار المعرفۃ۔ بیروت، ط / ١ 1408ء، ج ١، ص 196۔، ابن دقیق العید، شرح الأربعین، ج ١، ص 76۔

[34] سورۂ یوسف: 53۔

[35] سورۃ القیامۃ: 1,2۔

[36] سورۃ الفجر: 27-30۔

[37] سورۃ المؤمنون: 1-11۔

[38] سورۃ آل عمران: 185۔

[39] سورۃ العنکبوت: 45۔

[40] سنن ترمذی کتاب الامثال، باب ماجاء فی مثل الصلاۃ والصیام والصدقۃ، حدیث نمبر 2863۔ مشکوٰۃ المصابیح، ص 91۔

[41] الشيباني، عمرو بن أبي عاصم الضحاک، السنۃ، رقم 319، ج 1، ص 140۔

[42] علاء الدین علی متقی بن حسام الدین، اردو ترجمہ کنز العمال فی سنن الاقوال و الافعال، دارالاشاعت اردو بازار، کراچی، ستمبر 2009ء، ج 3، ص 255۔

[43] حوالہ بالا، ج 2، ص 255۔